استحکام پاکستان کیلئے اعتدال پسندی کا فروغ
قرآن اور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

مولانا ڈاکٹر شبیر احمد

﴿سڈنی آسٹریلیا﴾

اسلام اعتدال پسندی کی تعلیم دیتا ہے خواہ زندگی کا کوئی بھی پہلو ہو عہد حاضر کی انتہاء پسندی ردعمل ہے جو کہ عدل کے خلاف ہے۔ عدل کے لغوی معنی برابر کرنے کے ہیں۔ اسی مناسبت سے حکام کا لوگوں کے نزاعی مقدمات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ عدل کہلاتا ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (۱)

اسی لحاظ سے لفظ عدل افراط وتفریط کے مابین اعتدال کو کہا جاتا ہے۔

ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ لفظ عدل کے اصلی معنی برابری کرنے کے ہیں، پھر مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک مفہوم عدل کا یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حظ نفس پر اور اس کی رضا جوئی کو اپنی خواہش پر مقدم جانے اس کے احکام کی تعمیل کرے اور اس کی ممنوعات ومحرمات سے مکمل اجتناب کرے۔

دوسرا عدل یہ ہے کہ آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے وہ یہ کہ اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے، جس میں اس کی جسمانی یا رُوحانی ہلاکت ہو، اس کی ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے جس کا انجام کار مضر ہو، اور قناعت وصبر سے کام لے۔ نفس پر بلاوجہ بوجھ نہ ڈالے۔

تیسرا عدل اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے اور کسی ادنیٰ یا اعلیٰ معاملہ میں کسی سے

خیانت نہ کرے۔ سب لوگوں کے لئے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے، کسی انسان کو اس کے کسی قول وفعل سے ظاہراً وباطناً کوئی ایذا اور تکلیف نہ پہنچے۔

عدل وانصاف کو قائم رکھنا اسلامی حکومت کے اوّلین فرائض میں ہے، قرآن وحدیث کی متعدد نصوص عدل وانصاف کے حکم اور ظلم وستم کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً:

۱ – اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (۲)

اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم کرتا ہے۔

۲ – اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (۳)

اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

۳ – وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلاً عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ (۴)

اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے عمل سے بے خبر گمان نہ کیجئے۔

۴ – یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ (۵)

اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین کا خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تو لوگوں کے درمیان انصاف کا فیصلہ کر اور خواہشات کی اتباع نہ کر وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکا دیں گی۔

مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ خلافت کے قیام کا اہم اور بنیادی مقصد عدل و انصاف کا قیام ہے۔ حکومت وسلطنت بغیر عدل کے جسم بغیر روح کے مترادف ہے۔ اس کی اہمیت ایک حسی مثال سے واضح ہو جاتی ہے یعنی دنیا کے قدیم اور جدید جتنے بھی علاج کے طریقے ہیں۔ ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسانی بدن کی صحت، اعتدال مزاجی سے ہے۔ طب یونانی، ایلوپیتھک، ہومیوپیتھک وغیرہ سب کے سب اسی قاعدہ کلیہ پر متفق ہیں۔ انسان کا بدن چار اجزاء

خون، بلغم، سودا، صفراء سے مرکب ہے اور انہیں چاروں سے پیدا شدہ کیفیات انسان کے بدن میں ضروری ہیں۔ گرمی، ٹھنڈک، خشکی اور تری جس وقت تک یہ چاروں کیفیات مزاج انسانی کے مناسب حدود کے اندر معتدل رہتی ہیں۔ بدن انسانی کی صحت وتندرستی قائم رہتی ہے، اور جہاں ان میں سے کوئی کیفیت مزاج انسانی کی حدود سے زیادہ ہو جائے یا گھٹ جائے، وہی مرض ہے، اور اگر اس کی اصلاح وعلاج نہ کیا جائے تو ایک حد میں پہنچ کر وہی موت کا پیام ہو جاتا ہے۔

روحانیات واخلاقیات کی طرف آیئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں بھی اعتدال و بے اعتدالی کا ہی طریقہ جاری ہے، اس اعتدال کا نام روحانی صحت اور بے اعتدالی کا نام روحانی اور اخلاقی مرض ہے اور انسان کو جو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے، اس کا سبب اس کے گوشت پوست کی وضع قطع نہیں ہے بلکہ اس کا اصلی سبب اس کا روحانی کمال ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام افضل ترین انسان ہیں اور ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام سے بھی افضل ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان کو دوسروں کی نسبت رُوحانی کمال زیادہ تھا۔ اگر بدن انسانی کی حفاظت کے لئے اعتدالِ مزاج کا ہونا ضروری ہے تو روحانی اور اخلاقی اعتدال کو قائم رکھنا اور بھی زیادہ ضروری ہے، اور جس طرح کہ بدن کو امراض سے محفوظ رکھنے کے لئے ہر ملک میں ڈاکٹروں کا ہونا ضروری ہے اسی طرح روحانیات اور اخلاقیات کو بھی حد اعتدال پر رکھنے کے لئے روحانی ڈاکٹروں کی ضرورت ہے۔ یہ معالج انبیاء علیہم السلام ہیں جو ہر ملک وقوم میں آئے ہیں۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلاَ فِيْهَا نَذِيْرٌ (٦)

یعنی ایسی کوئی امت نہیں ہے جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

اور انبیاء کے بعد ان کے وارث علماء ہیں:

العلماء ورثة الانبياء

اس مقدس طبقہ کا فریضہ یہی ہے کہ بنی نوع انسان کی اخلاقی اور روحانی ناہمواریوں کو ختم کر کے ان کو صراط مستقیم پر گامزن کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَنصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝(۷)

بے شک ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری اُن کے کتاب اور ترازو تا کہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہو جائیں اور ہم نے اتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں۔

اس آیت سے واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے کا مقصد یہی ہے کہ اخلاقی اور عملی اعتدال پیدا کیا جائے۔ پھر اس امت مسلمہ کے اندر ایسا اعتدال پیدا ہو جو اس کا طرۂ امتیاز کہلائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (۸)

یعنی ان لوگوں میں جن کو ہم نے پیدا کیا ہے ایک ایسی امت ہے جو سچی راہ بتلاتے ہیں اور اس کے موافق انصاف کرتے ہیں۔

پھر یہ اخلاقی نظام کا اعتدال اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک دل میں اعتدال ہو، اگر دل کے اندر بے اعتدالی پیدا ہو جائے تو باقی اعضاء و جوارح میں بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان اور ناک وغیرہ اعضاء جسم ''دل'' کے حکم کے تابع اور فرمانبردار ہیں۔ جدھر اس کا اشارہ ہو ادھر ہی گھوم جاتے ہیں۔ اس لئے اسلام عدل و انصاف کے قیام کی تحریک دل ہی سے شروع کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ فی الجسد لمضغه اذاصلحت صلح الجسد كله واذافسدت فسد الجسد كّله الاوهى القلب.(۹)

یعنی جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ صحیح ہو جائے تو پورا بدن صحیح ہو

ہو جاتا ہے اور اگر اس میں فساد آ جائے، تو پورے جسم میں فساد آ جاتا ہے، سن لو! وہ دل ہے، اور سن لو! وہ دل ہے۔

اعتدال کو صرف اعتقاد کی حد تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کو زندگی کے دوسرے تمام گوشوں میں جاری و ساری کیا، ان میں سے چند چیزیں اس وقت ذکر کی جاتی ہیں۔

اِعتقادی اِعتدال: اسلام سے قبل امتوں پر نگاہ ڈالئے تو ایک طرف آپ کو یہ نظر آئے گا کہ لوگوں نے انبیاء کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنالیا، قرآنِ کریم ان کی بے اعتدالی کی گواہی اس طرح دیتا ہے

قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ بْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارىٰ الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ○ (۱۰)

یہودیوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔

ایک طرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ لوگوں کی محبت اتنی بڑھی کہ ان کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور دوسری طرف انہی اقوام کے دوسرے افراد کا عمل دیکھئے کہ جن انبیاء کو وہ مانتے ہیں ان کو ایذائیں بھی پہنچاتے ہیں اور بعض ان کے احکام کی روگردانی کرتے ہوئے یہ بھی کہتے دکھائی دیتے ہیں کہ:

اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ○ (۱۱)

یعنی جایئے آپ اور آپ کا پروردگار قتال کریں ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔

اسلام نے ان کے اس طرح کے مذعومات باطلہ کو ردّ کرتے ہوئے کہا کہ انبیاء علیہم السلام اللہ کی مخلوق ہیں ان میں خدائی اوصاف نہیں ہیں۔ اللہ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے۔ البتہ مخلوق میں سب سے اعلیٰ طبقہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ یعنی خدا کے بعد مخلوق میں اسی طبقہ کا مقام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں زیادہ محنت اسی بات پر کی کہ ان لوگوں کا اعتقاد صحیح ہو جائے اور کفر و شرک جیسا بے اعتدالی مرض ختم ہو جائے۔

اقتصادی اعتدال: اس وقت دنیا دو اقتصادی نظاموں میں تقسیم ہے، ایک کو سرمایہ داری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور دوسرے کو اشتراکیت، کمیونزم اور سوشلزم کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پہلے نظام نے ارتکاز دولت کو عملی جامہ پہنایا حتیٰ کہ تمام وسائل دولت کو چند گنے چنے ہاتھوں میں اس طرح سمیٹ دیا گیا کہ امیر، امیر تر ہوتا گیا اور غریب غریب تر، سود، قمار، سٹہ جیسے ذرائع کو رُو بکار لاکر انہوں نے کارخانوں، صنعتوں اور تجارتی منڈیوں پر قبضہ کرلیا، بازار کے بھاؤ کو مہنگا کرنا اور سستا کرنا ان کی ذاتی پسند کا مسئلہ بن گیا۔ اس صورت حال سے تنگ آکر غریب اور چھوٹے درجہ کے طبقہ نے اس نظام سے آزادی حاصل کرنے کے لئے دوسرے نظام یعنی سوشلزم کے دامن میں پناہ لی۔ جس کا نعرہ غریب اور امیر کے تفاوت کو ختم کرنا اور سب میں مساوات پیدا کرنا ہے۔ مگر چند روز میں وہ مشاہدہ کرلیتے ہیں کہ یہ نعرہ محض فریب تھا۔ معاشی مساوات کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ اور غریب اپنی غربت اور فقر و فاقہ کے ساتھ بھی جو ایک انسانی احترام رکھتا تھا اپنی مرضی کا مالک تھا۔ یہ احترام انسانیت بھی اشتراکیت کے ہاتھوں ذبح ہونا شروع ہوا۔

نظامِ اشتراکیت میں انسان کی قدر و قیمت مشین کے پرزے سے زائد نہیں۔ کسی جائداد کی ملکیت کا وہاں تصور نہیں ہوسکتا، اور جو معاملہ وہاں ایک مزدور کے ساتھ کیا جاتا ہے اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ کسی چیز کا مالک ہی نہیں۔ اس کی اولاد اور اس کی بیوی بھی نہیں، بلکہ سب ریاست کی مشین کے کل پرزے ہیں جن کو مشین اسٹارٹ ہوتے ہی اپنے کام پر لگ جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ریاست کے مفروضہ مقاصد کے سوا نہ اس کا کوئی ضمیر ہے نہ آواز، ریاست کے جبر و تشدد اور ناقابل برداشت محنت سے کترانا ایک بغاوت شمار ہوتا ہے، جس کی سزا موت ہے۔ خدا تعالیٰ اور مذہب کی مخالفت اور خالص مادہ پرستی، نظام اشتراکیت کا بنیادی اصول ہے۔

اسلام نے ظالمانہ سرمایہ داری او بیہودہ اشتراکی نظام کی دونوں انتہاؤں کے درمیان افراط و تفریط سے پاک ایسا نظام انسان کو دیا ہے جس میں رزق و دولت میں فطری تفاوت کے باوجود کوئی فرد یا جماعت کسی دوسرے کو غلام نہ بنا سکے اور مصنوعی گرانی اور قحط میں مبتلا نہ کرسکے، سود اور جوئے کو حرام قرار دے کر سرمایہ داری کی بنیاد منہدم کردی پھر ہر مسلمان کے مال میں غریبوں کا

حق متعین کر کے شریک کر دیا، جو غریبوں پر احسان نہیں بلکہ ادائیگی فرض ہے، قرآن کا حکم ہے:

وَفِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ۝ (۱۲)

اور جن کے مال میں حصہ معین ہے مانگنے والے کا اور نادار کا۔

نظامِ عشر و زکوٰۃ اور قانونِ وراثت کو جاری کر کے جائداد دولت کے ارتکاز کا خاتمہ کر دیا۔ قدرتی چشموں اور پہاڑی جنگلوں کی خودرو پیداوار کو تمام خلق خدا کا مشترک سرمایہ قرار دے دیا۔ جس پر کسی فرد یا جماعت کا قبضہ مالکانہ نہیں۔ جب کہ سرمایہ داری نظام میں یہ سب چیزیں سرمایہ داروں کی ملکیت قرار دے دی گئیں قرآن کریم نے:

كَيۡ لَا يَكُوۡنَ دُوۡلَةًۢ بَيۡنَ الۡاَغۡنِيَآءِ مِنۡكُمۡ

سے واضح کر دیا کہ ہم نے تقسیم دولت کا قانون اس لئے بنایا کہ دولت صرف سرمایہ داروں میں منحصر ہو کر نہ رہ جائے، اس طریقہ سے اسلام نے لوگوں کے حقوق ملکیت کو قائم رکھتے ہوئے ان کو معاشی پریشانی اور بدحالی سے نجات دلا کر ایسے نظام عدل کی بنیاد رکھی جو بنی نوع انسان کے لئے چین وسکون کی پناہ گاہ ہے۔

معاشرتی اعتدال: اس کے بعد آپ معاشرتی اور تمدنی زندگی کی طرف دیکھئے، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس گوشے میں بھی اسلام نے ان تمام بے انصافیوں اور ظالمانہ رسم ورواج کا خاتمہ کیا، جو پچھلی امتوں میں جاری وساری تھا۔ اسلام سے قبل انسان اپنا کمال اور فضیلت کا جوہر کھو چکا تھا۔ درندگی اور سفا کی اس کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، لوٹ گھسوٹ، قتل وغارت ان کے نزدیک کمال تھا۔ ایک رئیس کی چراگاہ میں کسی دوسرے کا اونٹ گھس گیا اور وہاں کچھ نقصان کر دیا تو عرب کی مشہور جنگ ''حرب بسوس'' مسلسل جاری رہی، ہزاروں انسانوں کا خون ہوا۔ اس وقت کے عقلاء تک بھی عورتوں کے حقوق دینا تو کجا ان کو زندہ رکھنا بھی عیب شمار کرتے تھے۔ اگر کسی کے ہاں کوئی بچی پیدا ہوتی تو اس کو زندہ رکھنا بھی عیب شمار کرتے تھے۔ اگر کسی کے ہاں کوئی بچی پیدا ہوتی تو اس کو زندہ دفن کر دیا جاتا۔ اگر کسی کا شوہر فوت ہو جائے تو اس کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی ستی

کر کے جلا ڈالنے کا رواج تھا۔

اسلام نے ان تمام احمقانہ رسم و رواج اور بے اعتدالیوں کا خاتمہ کر کے عدل و انصاف کا دور دورہ قائم کیا۔ اسلام نے ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم کے اصول سکھلائے۔ انسان کے حقوق بتلائے، نہ صرف امن و شانتی کے موقع پر بلکہ عین میدان جنگ میں بھی مخالفین کے حقوق کی رعایت ضروری قرار دی، دشمن کے بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور دیگر اس طرح کے معذور لوگوں سے قتال کرنے کو منع فرمایا، عورتوں کو بھی مردوں کی طرح حقوق عطا کئے۔ رہنے سہنے کے آداب سکھلائے اور ہر چیز کی حد مقرر کر دی، جس سے آگے بڑھنا یا پیچھے رہنا جرم قرار دیا، اور رنگ و نسل کے امتیازات کو ختم کر کے معیار فضیلت، تقویٰ و طہارت کو بنایا۔

ملکی اور انتظامی معاملات میں اعتدال: پھر ملکی اور انتظامی امور میں بھی عدل و انصاف کو قائم رکھنے کے لئے اصول و قواعد بیان کئے اور واضح کیا کہ انتظامی امور کے تمام کل پرزے صاف ستھرے ہوں نہ صرف وہ جسمانی اعتبار سے صحت مند ہوں، بلکہ روحانی اور اخلاقی اعتبار سے بھی ایک بلند معیاری مقام رکھتے ہوں۔

آج کل کی حکومتیں نظامِ مملکت کو صحیح اور مستحکم بنیادوں پر چلانے کے لئے بہت کچھ کرتی ہیں۔ ان کے پاس بے شمار محکمہ جات ہیں، فوج اور پولیس کی بہتات ہے، مفکرین، و مدبرین کی ان کے پاس کوئی کمی نہیں ہے، اسمبلیاں در اسمبلیاں موجود ہیں، ذرائع رسل و رسائل کی کثرت ہے، سوچ اور فکر کی بے شمار مجالس و محافل منعقد کی جاتی ہیں۔ ان تمام انتظامات کے باوجود پرنالہ اسی جگہ پر ہے۔ غریب ظلم و ستم سے چیخ رہا ہے۔ ظالم اپنے ظلم کے نشہ میں مست ہے، رات کی تاریکی ہو یا دن کا اجالا ہو، کوئی بھی حال ہو بڑے سے بڑے آدمی کو آسانی سے قتل کیا جا رہا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ ط(۱۳)

کا منظر پیدا ہو چکا ہے۔ اس فساد و بگاڑ کی اہم وجہ یہ ہے کہ انتظامی باگ ڈور اس ملک کے منصف اور دیانتدار افراد کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ حکومت کے مناصب اور عہدے پارٹی اور ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر ملک وملت کی خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ ان لوگوں کو دیئے جائیں جو ان کے اہل ہوں، ورنہ اسلام کی نظر میں غیر اہل کو عہدہ دینا عدل وانصاف کے خلاف اور بدترین خیانت کا ارتکاب ہے۔

قَالَ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم مَن ولی مِن امر المسلمین شیئًا ثم ولی رجلاً وھو یجد اصلح فی المسلمین فقد خَانَ اللّٰہ و رسولہ والمؤمنین(۱۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی کام کا ولی اور سرپرست بنایا جائے پھر وہ کسی شخص کو عہدہ سپرد کردے حالانکہ اس سے زیادہ صالح اور لائق آدمی مسلمانوں میں موجود ہوں تو بے شک اس شخص نے خدا، رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کیا۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

عن انس بن مالک قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم لاتزال ھذہ الامّہ بخیر ما اذا قالت صدقت واذا حکمتْ عَدَلَتْ وازا استرحمتْ رَحمت۔(۱۵)

حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ امت اس وقت تک خیر اور بھلائی پر قائم رہے گی جب تک کہ اس کا شعار یہ رہے گا کہ جب بات کرے تو سچ بولے اور جب فیصلہ کرے تو عدل وانصاف سے کرے اور جب اس سے رحم کی درخواست کی جائے تو وہ رحم کرے۔

مذکورہ تصریحات سے معلوم ہوا کہ نظام مملکت کو صحیح بنیادوں پر چلانے کے لئے عادل

اور امین ہاتھوں کی ضرورت ہے ورنہ نظام درہم برہم ہو جائے گا، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

رعاة الشاة تحمی الذئب عنها فکیف اذا الرعاة هم الذئاب

چرواہے تو بکریوں کو بھیڑیوں سے بچایا کرتے ہیں کیسی حالت ہو جب
چرواہے خود بھیڑیے بن جائیں۔

یہی آج ہمارے حکمرانوں کا حال ہے، لہٰذا ہمیں ملک کو مستحکم کرنے کے لئے ہر سطح پر اعتدال پسندی کو رواج دینا ہوگا، خیر الامور اوسطھا کا یہی مفہوم ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ القرآن، سورۂ نساء، آیت ۵۸

۲۔ القرآن، سورۂ نحل، آیت ۹۰

۳۔ القرآن، سورۂ مائدہ، آیت ۴۲

۴۔ القرآن، سورۂ ص، آیت ۲۶

۵۔ القرآن، سورۂ ص، آیت ۲۶

۶۔ القرآن، سورۂ فاطر، آیت ۲۴

۷۔ القرآن، سورۂ حدید، آیت ۲۵

۸۔ القرآن، سورۂ الاعراف، آیت ۱۸۱

۹۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۰۔ القرآن، سورۂ توبہ

۱۱۔ القرآن، سورۂ المائدہ

۱۲۔ سورۂ المعارج

۱۳۔ القرآن، سورۂ بقرہ،

۱۴۔ رواہ الحاکم بحوالہ دستور الاسلام، ص ۳۹

۱۵۔ بحوالہ دستور الاسلام، ص ۳۹